THE STUDY OF
RELIGION AND HISTORY

Vol.3, No.4, 2025

ISSN P: 3006-3329

ISSN E: 3006-3337

مسلم عائلی قوانین آرڈیننس ۱۹۶۱ء کی دفعات (۴،۵،۶) کا تحقیقی جائزہ

Analytical Study of Sections 4, 5, and 6 of the Muslim Family Laws Ordinance, 1961

ڈاکٹر جواد محمود خاکوانی: اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ گریجویٹ کالج، بہاول نگر، پاکستان۔

Abstract

October 08, 1958, the Constitutional government was brought to end and Martial Law was imposed in the country. On July 15, 1961, at the persistent demand by all Pakistan Women's Association, General Muhammad Ayub Khan promulgated the Family Laws Ordinance in the light of recommendations made by the Commission. Under section 4 of this ordinance, the right of grandson, whose father had died in the life of grandfather, to get an equal share from his grandfather's inheritance? Under section 5, it is obligatory to get a marriage registered as prescribed. Whoever contravenes these provisions shall be punishable with simple imprisonment for a term which may extend to three months or with fine which may extend to 1000 rupees. Section 6, imposes certain restrictions on polygamy. The Pakistani Family laws on these subjects are quite different to the law of Sharia. Above mentioned sections, discuss in detail.

Key Words: *Inheritance, Registration, Polygamy, Ordinance, Grandson, Marriage, Sharia*

تعارف موضوع

برصغیر کے علاقے بمبئ میں برطانوی حکومت کے قیام کے بعد بمبئ ریگولیشن ایکٹ ۱۸۲۹ء کے نفاذ سے نئ قانون سازی کا عمل شروع ہوا۔[1] ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کی فیصلہ کن شکست کے بعد برطانوی حکومت کا تسلط مزید مضبوط ہوا اور ان کا متبادل نظامِ قضاء بھی بتدریج مروجہ اور مذہبی قوانین کی منسوخی کا ذریعہ بنا۔ اس کے بعد جن قواعد و نظریات نے مسلمانوں کے نظریات کو متاثر کیا اُن میں مجموعہ تعزیرات ہندوستان ۱۸۶۰ء، قانونِ شہادت ۱۸۷۲ء، مجموعہ ضابطہ فوجداری ۱۸۹۸ء اور مجموعہ ضابطہ دیوانی ۱۹۰۸ء خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اِن قوانین اور ضوابط کے نفاذ سے مسلمانوں کے دیوانی اور فوجداری معاملات میں شرعی احکامات منسوخ ہو گئے۔[2]

البتہ بعد میں انگریزوں نے اپنے اقتدار کو طول دینے کے لیے مسلمانوں اور دیگر اقوام کو اپنی تہذیب کے مطابق اپنے شخصی قوانین پر عمل کرنے کی اجازت دے دی۔ مسلم پرسنل لاء (شریعت) اپلی کیشن ایکٹ ۱۹۳۷ء کے ذریعہ مسلمانوں کو اپنے شخصی قانون کے تحت عائلی معاملات مثلاً نکاح، طلاق، خلع، نان و نفقہ، وراثت، وصیت،، ہبہ اور وقف وغیرہ کو طے کرنے کا اختیار حاصل ہو گیا۔[3] اس کے علاوہ اُس دور میں جن قوانین میں اسلامی فقہ کو باضابطہ قانون قانون کی شکل دینے کا دعویٰ کیا گیا ہے اُن

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

ISSN P: 3006-3329

ISSN E: 3006-3337

Vol.3, No.4, 2025

میں گارڈین وارڈز ایکٹ ۱۸۹۰ء، بندش بچگان شادی ایکٹ ۱۹۲۹ء اور قانون انفساخ ازدواج مسلمانان ۱۹۳۹ء خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ قوانین مکمل طور پر یا کچھ ترامیم کے ساتھ آج بھی پاکستان اور ہندوستان میں نافذ العمل ہیں۔

قیامِ پاکستان کے بعد عائلی قوانین کے سلسلہ میں مسلم پرسنل لاء (شریعت) اپلی کیشن ایکٹ، ۱۹۳۷ء کو ہی مرحلہ وار تبدیلیوں کے ساتھ پاکستان میں نافذ کیا گیا۔ مختلف صوبوں اور پھر ملکی سطح پر شریعت ایکٹ کے نفاذ کیلئے مرحلہ وار کئی ایکٹ نافذ کیے گئے۔ آخر حکومت پاکستان نے ۲ مارچ ۱۹۶۱ء کو مسلم عائلی قوانین آرڈیننس ۱۹۶۱ء کا نفاذ کیا۔[4] اس میں یتیم پوتے کی میراث، شادی بیاہ کی لازمی رجسٹریشن، تعددِ ازدواج، طلاق وعدت، کمسن بچوں کی شادی پر پابندی اور تنسیخ نکاح وغیرہ کے امور پر قانون سازی کی گئی ہے۔[5]

مسلم عائلی قوانین آرڈیننس ۱۹۶۱ء کی کل تیرہ دفعات ہیں۔ یہاں صرف اس آرڈیننس کی دفعات نمبر ۶،۵،۴ کو ان کی اہمیت کے پیش نظر زیر بحث لایا جائے گا۔ شرعی اصولوں کی روشنی میں ان کو پرکھا جائے گا کہ یہ دفعات کتنی اسلامی ہیں؟ اور کیا ان میں خاندانی اصلاح کا پہلو بھی دیکھنے کو ملتا ہے؟ کیونکہ اگر مان بھی لیا جائے کہ اس قانون کو نافذ کرنے والوں کا مقصد مسلم خاندانوں کے اندر پیدا ہو جانے والے مفاسد کی اصلاح کرنا ہے۔ اور یہ کام خواہ کتنی ہی نیک نیتی اور اصلاحی جذبہ سے کیوں نہ کیا گیا ہو اگر قرآن وسنت کے بیان کردہ اُصولوں کے معیار پر پورا نہیں اُترتا تو اس کو کسی طرح بھی قبول نہیں کیا جا سکتا۔ عامۃ المسلمین کو اُس وقت تک ایسا کوئی قانون قابل قبول نہیں جب تک شرعی اُصول اس کے صدق کی تصدیق نہ کر دیں۔ ویسے بھی لفظ "اصلاح" بذات خود قابل تعریف ہے کیونکہ جس فعل کو انسان اصلاح سمجھ ہو سکتا ہے رب تعالیٰ کے نزدیک وہی فعل بگاڑ کا سبب ہو۔ لہٰذا قرآن وسنت کی راہنمائی لینا ناگزیر ہے۔

زیر بحث موضوع کا اسلوب خالصتاً تحقیقی نوعیت کا ہے اس لیے بنیادی مآخذ کی روشنی میں مسلم عائلی قوانین آرڈیننس ۱۹۶۱ء کی دفعات ۶،۵،۴ کا شرعی جائزہ لیا گیا ہے۔

دفعہ: ۴

> "***Succession***. *In the event of death of any son or daughter of the propositus before the opening of succession, the children of such son or daughter, if any, living at the time the succession opens, shall per stripes, receive a share equivalent to the share which such son or daughter, as the case may be, would have received if alive*"[6]

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337
Vol.3, No.4, 2025

"اگر وراثت شروع ہونے سے پہلے مورِث (وہ شخص جس سے ورثہ ملے) کے کسی بیٹے یا بیٹی کی موت واقع ہو جائے تو ایسے بیٹے یا بیٹی کی اولاد کو (اگر کوئی ہوں بحصّہ رسدی وہ ہی حصہ ملے گا جو اس بیٹے یا بیٹی کو زندہ ہونے کی صورت میں ملتا)"

مذکورہ بالا عائلی قوانین کی دفعہ ۴ کی روسے باپ کی وفات کی صورت میں یتیم پوتوں کو دادا کی میراث میں سے باپ کو زندہ فرد مان کر حصہ دیا جاتا ہے۔یعنی بیٹوں کے ہوتے ہوئے یتیم پوتے کو برابر کا حصہ ملتا ہے۔اس کی تائید آئمہ اربعہ کے کسی مکتب فکر سے نہیں ہوتی۔ یہ اسلامی قانون وراثت کے منافی اصول ہے۔علم وراثت کا بنیادی قاعدہ ہے کہ قریب وارث کے ہوتے ہوئے بعید وارث محروم ہو جاتا ہے۔اسی بناء پر اگر کسی شخص کا ایک بیٹا زندہ اور دوسرے فوت شدہ بیٹے کا بیٹا یعنی یتیم پوتا بھی زندہ ہو تو اس شخص کی وراثت سے بیٹے کے ہوتے ہوئے یتیم پوتے کو حصہ نہیں ملے گا۔کیونکہ یتیم پوتا میت سے ایک واسطہ سے بعید ہے اور بیٹا میت سے بلاواسطہ لاحق اور اقرب ہے۔

اس قاعدہ کی اصل یہ حدیث ہے جس کے راوی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھما ہیں، رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا۔

" أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا، فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ "[7]

"فرائض (قرآن کے مقرر کردہ حصے) اہلِ فرائض کو لاحق کر دو۔اس کے بعد جو ترکہ باقی بچے وہ میت کے سب سے قریب مرد کو دے دو"

یہ حدیث اس بات پر دال ہے کہ وارث اقرب کے ہوتے ہوئے وارث ابعد محروم ہو جاتا ہے۔اقرب اور ابعد کا یہ اصول ورثاء کے لیے ہے، مورث کے لیے نہیں ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے

"لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ"[8]

"مردوں کیلئے (اس مال میں) سے حصہ ہے جس کو ماں باپ اور قرابت داروں نے چھوڑا"

مفتی محمد شفیع صاحب نے اس آیت میں "اقربین" کے لفظ سے یہ استدلال کیا ہے کہ استحقاق وراثت کیلئے ورثاء کا اقرب ہونا ضروری ہے۔یہ اصول تو صحیح ہے مگر اس آیت سے ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس آیت میں اقربون کا لفظ مورثین اور مرنے والوں کے لیے آیا ہے، ورثاء کے لیے استعمال نہیں ہوا۔بہر حال آپ لکھتے ہیں

"نیز اسی لفظ اقربون سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ مال وراثت کی تقسیم ضرورت کے معیار سے نہیں بلکہ قرابت کے معیار سے ہے اس لیے یہ ضروری نہیں کہ رشتہ داروں میں جو زیادہ غریب اور حاجت مند ہو اس کو زیادہ وراثت کا مستحق سمجھا جائے بلکہ جو میت کے ساتھ رشتہ میں قریب تر ہو گا وہ بہ نسبت بعید کے زیادہ مستحق ہو گا"[9]

یتیم پوتے کی میراث کے مسئلہ کو مزیدیوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ لوگوں کا میت کے ساتھ لاحق ہونے میں فرق ہوتا ہے جو میت کے ساتھ بلاواسطہ لاحق ہو اس کے ہوتے ہوئے وہ محروم ہوتا ہے جو کسی واسطہ کے ساتھ میت کے ساتھ لاحق ہوتا ہے۔مثلاً

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

ISSN P: 3006-3329

ISSN E: 3006-3337

Vol.3, No.4, 2025

میت کا ایک بیٹا ہو اور ایک یتیم پوتا ہو تو بیٹا میت کے ساتھ بلاواسطہ لاحق ہے اور یتیم پوتا (فوت شدہ) دوسرے بیٹے کے واسطہ سے لاحق ہے۔ اس لیے بیٹے کے ہوتے ہوئے یتیم پوتا محروم رہے گا۔

اسلامی قانون وراثت کے اس مسلمہ اصول سے کچھ لوگوں نے اختلاف کیا اور یہ مؤقف قائم کیا کہ یتیم پوتے کو بھی وراثت میں سے حصہ دیا جائے۔ جیسا کہ عائلی قوانین کے کمیشن نے جو سفارشات دی تھیں اُن میں سے ایک سفارش یہ بھی تھی کہ یتیم پوتے کو وراثت میں سے حصہ دیا جائے۔ تاہم کمیشن کے ایک رکن مولانا احتشام الحق نے ان سے اختلاف کیا اور اپنا ایک اختلافی نوٹ بھی لکھا اور اجتہاد کے متعلق کمیشن کے اظہار خیال کی پرزور تردید کی۔

"یوں اسلام کے مسلمات اور شریعت اسلامیہ کی بنیادوں کو مجروح کرنے کی ناکام کوشش کی گئی ہے جو اپنی جگہ غیر آئینی اور غیر اصولی بھی ہے "[10]

مزید کہتے ہیں کہ

" کمیشن کے بیشتر افراد نہ احکام و قوانین اسلام کا تفصیلی علم رکھتے ہیں اور نہ استنباط قوانین کے کام سے واقف ہیں "[11]

کمیشن کی سفارشات پر صرف مولانا احتشام الحق نے ہی تحفظات کا اظہار نہیں کیا بلکہ اس پر ملک بھر میں علماء نے شدید رد عمل کا اظہار کیا تھا مگر اس کے باوجود فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کے مارشل لاء دور میں "مسلم عائلی قوانین آرڈیننس ۱۹۶۱ء" کے نام سے اس قانون کو نافذ کر دیا گیا جسے بعد ازاں ہر دور میں دستوری تحفظ ملا۔

یتیم پوتے کی میراث کے معاملہ میں ایک شبہ یوں بھی ذہنوں میں پیدا کیا جاتا ہے کہ فرض کریں ایک شخص کے دو بیٹے ہیں اور بیٹوں کی اولاد یعنی پوتے بھی موجود ہیں اگر اس شخص کی زندگی میں ایک بیٹے کا انتقال ہو جائے تو اس کے مرنے کے بعد ایک بیٹا ترکہ کا وارث ہو گا۔ اس اعتبار سے اُس کی اولاد بھی وراثت میں حق دار ٹھہرتی ہے مگر وہ لڑکا جس کا انتقال باپ کی زندگی میں ہو چکا ہے اُس کی اولاد کو کچھ نہ ملے گا۔ یعنی ایک تو اس کی اولاد باپ کے سایہ سے محروم ہو گئی ہے اور اس پر مزید یہ کہ اس کو وراثت سے بھی کچھ نہ ملا۔ کیا یہ معاملہ قرین انصاف ہے؟ اسی عذر کے پیشِ نظر مروجہ عائلی قانون میں یتیم پوتے کو وراثت میں برابر کا حصہ دار قرار دیا گیا ہے۔

جسٹس (ر) محمد افضل چیمہ زیرِ بحث مسئلہ کے حل کے لیے ایک اور تجویز دیتے ہیں

"آخری اختلافی مسئلہ یہ تھا کہ میں نے دیہاتی معاشرے کے حالات کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ تجویز پیش کی تھی کہ محروم الارث پوتے کے حق میں بقدر حصہ کے اس دادا کے ہبہ یا وصیت کو بطور لیگل فکشن یا قانونی مفروضہ تسلیم کر لیا جائے اِلا یہ کہ دادا از خود اس کی تحریری طور پر تردید کر دے۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ علماء کرام نے اس اہم اور مفید تجویز کو بھی مسترد کر دیا"[12]

The Study of Religion and History

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.3, No.4, 2025

ISSN P: 3006-3329

ISSN E: 3006-3337

کمیشن کے نزدیک اس قانون سازی کا مقصد یتیم بچوں کی معاشی مشکلات کو کم کرنا ہے یہی موقف جسٹس (ر) محمد افضل چیمہ کا بھی ہے، یقیناً یہ مقصد بہت مبارک ہے اور قرآن وسنت کی روح کے عین مطابق بھی، مگر اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ قرآن وسنت کے بیان کردہ اصول کو بدل کر یتیم پوتے کو وراثت میں حصہ دار بنادیا جائے یا اس کے حق میں دادا کے ہبہ یا وصیت کو جو اس نے کی ہی نہیں اس کو قانونی مفروضہ تسلیم کر لیا جائے۔ شرعاً ان دونوں تجاویز کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ اس کا حل یہ ہے کہ اسلام کے قانون وصیت پر عمل کیا جائے۔ جیسا کہ قرآنِ حکیم میں ارشاد ہوتا ہے۔

"كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ"[13]

"فرض کیا گیا ہے تم پر جب قریب آجائے تم میں سے کسی کی موت بشرطیکہ چھوڑے کچھ مال کہ وصیت کرے اپنے ماں باپ کے لیے اور قریبی رشتہ داروں کے لیے انصاف کے ساتھ ایسا کرنا ضروری ہے پرہیزگاروں پر"

مذکورہ آیت میراث والی آیت سے منسوخ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر وارث کو اس کا حق دے دیا ہے اب کسی وارث کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں ہے۔ مگر حدیثِ نبوی کی رو سے ثلث مال تک غیر وارث کے لیے وصیت کی جاسکتی ہے۔ لہذا یتیم پوتے کو وصیت کے ذریعہ فائدہ پہنچایا جاسکتا ہے۔

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ

"وصیت کی مشروعیت پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ ہمارا اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ (مطلقا) وصیت کرنا مستحب ہے واجب نہیں ہے"[14]

قرآن وسنت نے جابجا ترغیب دی ہے کہ ایسے غریب رشتہ داروں کا خیال رکھا جائے جو ضابطہ سے وراثت میں حصہ نہیں پاتے۔ جس شخص کا ترکہ تقسیم ہونا ہے وہ اپنی زندگی میں ضرورت وحاجت کے پیش نظر جتنا چاہے اپنے ہاتھ سے دے سکتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر وہ چاہے تو سب بیٹوں سے زیادہ ان پوتوں پوتیوں کو دے سکتا ہے صرف شرط یہ کہ اس دینے میں اُن کی حاجت ومصلحت پیش نظر ہو دوسرے وارثوں کو محروم کرنے کا ارادہ نہ ہو۔ مورث نے اپنی زندگی میں نہیں دیا تو ایک تہائی حصہ کی حد تک وہ وصیت بھی تو کر سکتا ہے اور یہ بھی کہ چچا یا تایا کو بھی کس نے روکا ہے کہ وہ اپنی رضامندی سے اس یتیم بھتیجا کا کوئی حصہ مقرر کردے۔ ویسے بھی قرآن حکیم نے اس فعل کی ترغیب خاص طور پر دلائی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

"وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُمْ مِنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا"[15]

"اور جب حاضر ہوں (ورثہ کی) تقسیم کے وقت (غیر وارث) رشتہ دار یتیم بچے اور مسکین تو پھر دو انہیں بھی اس میں سے اور کہو اُن سے اچھی بات"

اس سے آگے والی آیت میں یوں ارشاد ہوتا ہے۔

The Study of Religion and History

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.3, No.4, 2025

ISSN P: 3006-3329

ISSN E: 3006-3337

"وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا"[16]

"اور چاہیے کہ ڈریں جو (یتیموں کے سرپرست ہیں اور سوچیں) کہ اگر چھوڑ جائیں وہ اپنے پیچھے چھوٹے چھوٹے کمزور بچے تو وہ کتنے فکر مند ہوتے اُن کے متعلق، پس چاہیے کہ وہ ڈریں اللہ سے اور کہیں ایسی بات جو بالکل درست ہو"

ہمیں مذکورہ آیات سے زیر بحث مسئلہ میں رہنمائی لینی چاہیے نہ کہ اپنے بنائے ہوئے اصولوں کو معیار مانیں۔ اس سلسلہ میں مفتی محمد شفیع صاحب کا تبصرہ بھی ملاحظہ ہو۔

° "اب اگر مشفق و مہربان نانا دادا نے بھی اپنے پوتے پوتیوں یا نواسے نواسیوں پر رحم نہ کھایا اور چچا تایا اور ماموں کو بھی ان پر کوئی ترس نہ آیا تو اس کو ایک آسمانی آفت کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔ ان غریبوں کا وہی درجہ ہو گا جن کے باپ دادا نے کچھ چھوڑا ہی نہیں۔ جس کا علاج یہ نہیں کہ حق داروں کے حصے میں سے زبردستی چھین کر ان کی حاجت پوری کی جائے بلکہ اس کا نہایت معقول اور صحیح انتظام وہ ہے جو قرآن حکیم نے کر دیا ہے"[17]

° "قرآن کا وہ قانون یہ ہے کہ یتیم پوتا اگر حاجت مند ہے تو دادا کی زندگی میں اس کی تمام ضروریات نفقہ دادا کے ذمہ ہیں اور اس کے انتقال کے بعد اس کی تمام ضرورت نفقہ کی ذمہ داری انہیں چچا تایا پر ڈال دی ہے جو اس وقت دادا کی میراث لے رہے ہیں۔ قرآن کریم کا ارشاد اس بارے میں یہ ہے ''علی الوارث مثل ذٰلک''۔ جمہور فقہانے اس کے یہ معنی بیان فرمائے ہیں کہ بچہ کے نان و نفقہ کی ذمہ داری جو باپ کے ذمہ تھی، باپ کے مرنے کے بعد بچہ کے وارثوں کی طرف منتقل ہو جاتی ہے جن میں بچہ کے چچا تایا بھی داخل ہیں اور ماموں بھی"[18]

آخر میں زیر بحث دفعہ ۴ کے سلسلہ میں ہماری رائے یہ ہے کہ بجائے احکام میراث کو یکسر نظر انداز کر کے یتیم پوتوں کو باقاعدہ دادا کی میراث میں حصہ دار بنا دیا جائے، بہتر ہو گا کہ قانون وصیت پر عمل کیا جائے جس میں نہ صرف اس کی واضح گنجائش موجود ہے بلکہ ترغیب و تلقین بھی لہٰذا زیر بحث دفعہ نمبر ۴ کو منسوخ واضح گنجائش موجود ہے کرنے کی تجویز ہے کیونکہ یہ شریعت سے متصادم ہے۔

دفعہ:۵

مسلم عائلی قوانین آرڈیننس ۱۹۶۱ء کی دفعہ ۵ کی ذیلی دفعات ۲، ۱ اور ۳ اس امر سے بحث کرتی ہیں کہ نکاح رجسٹرار کے ذریعہ نکاح کی رجسٹریشن یونین کونسل میں کروانا ضروری ہے۔[19] اس فعل کی خلاف ورزی کرنے والوں کے لیے باقاعدہ تعزیزی سزا رکھی گئی ہے، ملاحظہ

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

ISSN P: 3006-3329

ISSN E: 3006-3337

Vol.3, No.4, 2025

ہوزیرِ بحث دفعہ کی ذیلی دفعہ ۴

"Whoever contravenes the provisions of sub-section (3) shall be punishable with simple imprisonment for a term which may extend to three months or with fine which may extend to one thousands rupees, or with both"[20]

"ہر وہ شخص جو ذیلی دفعہ ۳ مذکورہ بالا کی خلاف ورزی کرے گا وہ قید محض جس کی مدت تین ماہ تک ہو سکتی ہے یا جرمانہ جو ایک ہزار روپے تک ہو سکتا ہے یا ہر دو سزائیں بھی دی جا سکتی ہیں"

ان کے علاوہ اس کی آخری دو ذیلی دفعات ۵ اور ۶ میں یہ حقیقت بیان ہوئی ہے کہ نکاح نامہ نکاح رجسٹرار تیار کرے گا۔ اس کی ایک ایک کاپی فریقین کو دی جائے گی اور یونین کونسل میں بھی یہ باقاعدہ ریکارڈ کا حصہ بنے گا۔اس کام کی فیس بھی رکھی گئی ہے۔ اگر اس قانون کا مقصد یہ ہو کہ نکاح رجسٹر نہ کروانے کی صورت میں اس کی قانوناً کوئی حیثیت نہ ہوگی اور ایسے نکاح کو تسلیم ہی نہ کیا جائے گا تو یقیناًیہ دفعہ شرعی اصولوں کے متصادم ہے۔اس کی کوئی اصل شریعت مطہرہ میں موجود نہیں، اسلامی قانون کے مصادر میں کہیں ایسا درج نہیں ہے کہ نکاح کی رجسٹری ضروری چیز ہے اور اسے نکاح کی لازمی شرط سمجھا جائے۔

اگر اس دفعہ کے لانے کا مقصد انتظامی طور پر کچھ سہولتیں فراہم کرنا ہے تب تو یہ فعل مستحسن ہے۔یعنی نکاح کا باقاعدہ اندراج اس کو تحفظ فراہم کرتا ہے۔ جعل سازی اور دیگر مفاسد سے انسان محفوظ ہو جاتا ہے۔یوں نسب، وراثت وغیرہ کے معاملات میں بھی یقینی صورتحال پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ جو چیز احاطہ تحریر میں آ جائے اس کی افادیت مسلمہ ہے۔ آنے والے وقت میں انسان بہت سے اختلافات سے بھی بچ سکتا ہے۔ جیسے بیع نامہ، ہبہ نامہ اور رہن نامہ وغیرہ کی رجسٹری کی اہمیت سے کون شخص ہے جو باخبر نہ ہو۔ اگر کوئی شخص رجسٹری نہیں کرواتا تو ریاست نے اس پر کوئی سزا نہ رکھی ہے۔ بلکہ رجسٹری نہ کروانے کی صورت میں بندہ بہت سی قانونی سہولتوں سے محروم ہو جائے گا اور یہ سزا اُس نے اپنے لیے خود تجویز کی ہے یہ اس کے لیے کافی ہے۔نہ کہ یہ ہونا چاہیے کہ قانوناً اس کے لیے تعزیزی سزا اور جرمانہ کا تعین کر دیا جائے۔ایسی سزا یا جرمانہ شرعاًنہ عقلاً قابل قبول ہے۔

آخر میں یہ کہ دیگر معاملات کی طرح نکاح کے معاملہ کو بھی تحریری شکل دینا اپنے آپ کو نزاعی صورتحال سے بچانے کے مترادف ہے۔ جیسے قرآن حکیم نے ادھار کے معاملے کو کتابت میں لانے کی ہدایت کی ہے تاکہ فریقین میں اختلاف پیدا نہ ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوهُ وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ "[21]

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

ISSN P: 3006-3329

ISSN E: 3006-3337

Vol.3, No.4, 2025

لہٰذا زیر بحث مسئلہ کے سلسلہ میں ہماری رائے یہ ہے کہ نکاح رجسٹریشن ہونی چاہیے۔ اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں مگر اس ضابطہ پر عمل نہ کرنے والوں کے لیے تعزیری سزا تجویز کرنا قرین انصاف نہیں ہے۔ لہٰذا تعزیری سزا والی ذیلی دفعہ ۴ کو منسوخ کرنے کی سفارش ہے

دفعہ:۶

مذکورہ بالا دفعہ تعدد ازدواج کے مسئلہ سے بحث کرتی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دوسری شادی کرنے سے پہلے کسی شخص کو ثالثی کونسل سے اجازت حاصل کرنا ہو گی ورنہ منظوری حاصل کیے بغیر کی ہوئی شادی کو اس آرڈیننس کے تحت رجسٹر نہ کیا جائے گا۔ ان خاص حالات کی بھی وضاحت کرنا ہو گی جن کی بناء پر وہ دوسری شادی کر رہا ہے اور یہ کہ آیا اس نے موجودہ بیوی سے اس سلسلہ میں رضامندی حاصل کر لی ہے۔ ثالثی کونسل اگر مطمئن ہو کہ مجوزہ شادی ضروری اور منصفانہ ہے تو وہ ایسی شرائط کے تحت جنہیں وہ مناسب خیال کرے مطلوبہ منظوری دے گی۔ ثالثی کونسل کا فیصلہ حتمی ہو گا اس کے خلاف کسی عدالت میں چارہ جوئی نہیں کی جاسکے گی اور اگر کوئی شخص ثالثی کونسل کی اجازت کے بغیر ہی دوسری شادی کر لے تو وہ مہر کی تمام واجب الادا رقم موجودہ بیوی یا بیویوں کو ادا کرے گا خواہ وہ معجل ہو یا غیر معجل۔ اس سلسلہ میں جرم ثابت ہو جانے کی صورت میں قید محض جس کی مدت ایک سال تک ہو سکتی ہے یا جرمانہ جو پانچ ہزار روپے تک ہو سکتا ہے یا اسے ہر دو سزاؤں کا حق دار بھی ٹھہرایا جاسکتا ہے۔[22]

زیر بحث دفعہ کا اصل منشاء بظاہر ان مظالم کو دور کرنا ہے جو ایک سے زائد شادی کرنے والے اپنی بیویوں پر روا رکھتے ہیں۔ لہٰذا اس دفعہ کے ذریعہ نکاحِ ثانی کرنے پر سخت شرائط لگائی گئی ہیں۔ مگر یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ صرف ایک شادی کرنے والا شخص کیا اپنی بیوی پر ظلم نہیں کرتا؟ اگر کرتا ہے تو اس کے تدراک کے لیے اس آرڈیننس میں کون سی دفعہ لائی گئی ہے۔ جس طرح ایک بیوی رکھنے والے اگر ظلم وجور سے متعلق ہوں تو اُن کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جاسکتی ہے بالکل اسی طرح زیادہ بیویاں رکھنے والے کے خلاف بھی قانونی چارہ جوئی کی جاسکتی ہے اگر ان کا ظلم کرنا ثابت ہو جائے۔ مروجہ عائلی قانون کی یہ دفعہ ناقابل فہم ہے کہ ایک بیوی پر جو مظالم ہوتے ہیں ان کی کوئی پرواہ نہ کی جائے اور اس کے تحفظ کے لیے اس انداز سے کوئی دفعہ نہ لائی جائے بلکہ صرف ایک سے زائد ہونے والی بیوی کے مظالم ہی قابل اصلاح وانسداد سمجھے جائیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دفعہ کا اصل مقصد کسی ظلم کا انسداد نہیں بلکہ اہل مغرب سے متاثر ہو کر تعدد ازدواج کو ایک ناپسندیدہ شے اور جرم قرار دینا ہے۔ ویسے بھی ہر برائی کا قانون کے ذریعہ روکنے کا اصول ہر جگہ کارآمد نہیں ہو سکتا بلکہ لوگوں کی اخلاقی تربیت بھی نہایت ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں درج ذیل متن ملاحظہ ہو۔

"ہر برائی کو قانون کے ذریعہ روکنے کا اصول خود بھی قابل قبول نہیں بلکہ تجربہ اور مشاہدہ گواہ ہے کہ ذہنی اصلاح اور اخلاقی تربیت کے بغیر کوئی بھی قانون انسداد جرائم کا ضامن نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً زوجین کے معاملات ایسی نزاکت رکھتے ہیں کہ ان میں قانون کی مداخلت بسا اوقات اور زیادہ مفاسد پیدا کر دیتی ہے اس تعلق میں ظلم وجور کی اصلاح بجز خوفِ خدا وآخرت یا شرافتِ نفس اور ذہنی تربیت کے بہت ہی مشکل ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ نکاح کے شروع میں جو خطبہ رسول کریم ﷺ سے منقول ہے اس میں تین آیتیں قرآن کی پڑھی جاتی ہیں اور ان تینوں کے اول میں بھی آخر میں بھی تقوٰی اور خوفِ خدا تعالیٰ کی تاکید کی گئی ہے کیونکہ زوجین کے تعلقات کو ہموار رکھنے کے لیے قانونی مداخلت سے زیادہ خوفِ خدا وآخرت ہی کامیاب ذریعہ ہے"[23]

جو شخص اسلام کی تاریخ سے کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے وہ بخوبی جانتا ہے کہ تعدد ازدواج کا اصول ہر معاشرہ میں موجود تھا اور اس کو قطعاً معیوب نہ سمجھا جاتا۔ یہاں تک کہ ہمارے نبی اکرم ﷺ کی شریعت مطہرہ میں بھی اس اصول کو باقی رکھا گیا اور بہ شرط عدل چار عورتوں سے بیک وقت نکاح کی اجازت دی گئی۔ مثلاً

"عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ غَيْلاَنَ بْنَ سَلَمَةَ الثَّقَفِيَّ، أَسْلَمَ وَلَهُ عَشْرُ نِسْوَةٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَأَسْلَمْنَ مَعَهُ فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَنْ يَتَخَيَّرَ أَرْبَعًا مِنْهُنَّ"[24]

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ غیلان بن سلمہ ثقفی جب اسلام لائے اور ان کی زمانہ جاہلیت میں دس بیویاں تھیں وہ بھی ان کے ساتھ مسلمان ہو گئیں تو ان کو نبی اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ وہ ان میں سے چار کو اختیار کر لیں"

اس سلسلہ کی ایک اور روایت بھی ملاحظہ ہو۔

"عَنْ قَيْسِ بْنِ الْحَارِثِ، قَالَ أَسْلَمْتُ وَعِنْدِي ثَمَانِ نِسْوَةٍ فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ . صلى الله عليه وسلم . فَقُلْتُ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ " اخْتَرْ مِنْهُنَّ أَرْبَعًا"[25]

"حضرت قیس بن حارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب میں مسلمان ہوا تو میرے پاس آٹھ بیویاں تھیں میں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کو بیان کیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ان میں سے چار کو اختیار کر لو"

زمانہ جاہلیت میں بیویوں کی تعداد کی کوئی حد معین نہیں تھی تاہم اسلام میں ایک سے زیادہ (بیک وقت زیادہ سے زیادہ چار) بیویوں کی اجازت صرف اُسی شخص کو دی ہے جو عدل وانصاف کے ساتھ ان کے حقوق ادا کر سکے۔"فانکحواما طاب لکم من النساء مثنٰی وثلث وربع"[26] سے چار بیویاں رکھنے کی اجازت ملتی ہے مگر جو لوگ زائد بیویوں کے حقوق کو عدل وانصاف کے ساتھ پورا

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337
Vol.3, No.4, 2025

کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اُنہیں ایک ہی نکاح پر اکتفا کرنے کا حکم ہے یعنی" فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً "[27]اسلام نے جو چار عورتوں سے بیک وقت نکاح کرنے کی اجازت دی ہے وہ مشروط ہے عدل کرنے سے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اس پر مستشرقین شروع سے اعتراض کرتے چلے آرہے ہیں۔ دوسری طرف کچھ آزاد خیال مسلمان ہیں جو اپنے آپ کو اللہ اور رسول ﷺ سے زیادہ حقوق انسانیت کا محافظ سمجھتے ہیں ان ہی لوگوں کے اثر سے پاکستان میں عائلی قوانین بنائے گئے اور بیوی کی اجازت کے بغیر مرد کے لیے دوسری شادی کرنا قانوناً ممنوع قرار دے دیا گیا۔ ۲ مارچ ۱۹۶۱ء سے لے کر آج تادمِ تحریر یہ قانون پاکستان میں نافذ ہے حالانکہ ملک کے تمام اہل فتوٰی علماء اس قانون کو مسترد کر چکے ہیں۔

نکاح اور عائلی قوانین کے کمیشن کے ایک رکن مولانا احتشام الحق نے خاص طور پر سب سے کڑی تنقید تعدد ازدواج پر پابندی لگانے کی سفارش پر کی تھی۔ ان کی رائے میں یہ انتہائی بے اصولی ہے۔ انہوں نے اس امر کی مذمت کی کہ یورپ کی تقلید میں کمیشن نے تعدد ازدواج پر پابندی لگانے کی سفارش کی ہے لیکن مسلم معاشرے میں اس کی افادیت پر کوئی غور نہیں کیا۔[28]تعدد ازدواج کا اصول فطری ہے اور اصول شریعت کے مطابق قانونی حیثیت رکھتی ہے۔ تعددِ ازدواج جو قرآن مجید میں مذکور ہے صرف یتیم لڑکیوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔[29]اس سلسلہ میں حتمی رائے دیتے ہوئے مولانا احتشام الحق کہتے ہیں کہ

> "تعدد ازدواج کی اجازت کو برقرار رکھنا چاہیے اور اس کے غلط استعمال پر پابندی لگانا مسئلہ کا صحیح حل ہے مناسب یہ ہے کہ لوگوں کو اجازت کے صحیح استعمال کے لیے ذہنی تربیت دی جائے"[30]

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ عورتوں کی اوسط پیدائش مردوں کی اوسط پیدائش سے زیادہ ہوتی ہے۔ اس لیے تعدد ازدواج کا اصول فطرت کے عین مطابق ہے ورنہ باقی ماندہ عورتیں بغیر شادی کے ناجائز طریقہ سے اپنی خواہش پوری کریں گی جیسے مغرب میں ہوتا ہے۔ اُن کا معاشرتی ڈھانچہ ہی ایسا ہے کہ زنا بالرضا کو کوئی جرم سمجھا ہی نہیں جاتا اس لیے اُن معاشروں میں تو تعددِ ازدواج کا اصول واقعی افادیت کا حامل نہیں ہے مگر مسلمانوں کے پاکیزہ معاشروں میں تعددِ ازدواج کی اہمیت مسلمہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس مسئلہ میں ایک طرف قرآن وسنت ہوں اور دوسری طرف محض رائے اور قیاس اور اہلِ مغرب کی تقلید تو ایک مسلمان ہونے کے ناطے ہمارے لیے قرآن وسنت کی دلیل کافی ہے۔ لہٰذا دفعہ ۶ کو منسوخ کیا جائے۔

خلاصہ بحث

عبادات فقہ اسلامی کا سب سے پہلا شعبہ ہے۔ اس کے بعد دوسرا بڑا شعبہ عائلی قوانین کا ہے جس کے لیے کچھ فقہانے مناکحات کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ قرآنِ حکیم کے بغور مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس کی آیاتِ احکام میں سب سے زیادہ زور انہی شعبوں پر دیا گیا ہے۔ تقریباً ڈیڑھ سو آیات ہیں جو عبادات سے متعلق ہیں اور قریب قریب اتنی ہی آیات کی تعداد شخصی قوانین کے بارے میں ہے۔ یعنی نکاح، طلاق، خلع، نان ونفقہ، وراثت، وصیت، ہبہ اور وقف وغیرہ کے متعلق۔ ان دونوں شعبوں پر اس لیے

ISSN P: 3006-3329

ISSN E: 3006-3337

امتیاز ور دیا گیا ہے کہ ان کے ذریعہ انسان کی انفرادی واجتماعی زندگی منظم ہوتی ہے۔دوسرے شعبہ جات بھی عملی زندگی کے لیے کم اہم نہیں ہیں مگر یہ دو شعبے خاص طور پر افراد کی روحانی ومادی ضروریات کی تکمیل کرتے ہیں۔

پاکستان جو نظریہ کی بنیاد پر معرضِ وجود میں آیا تھا مگر اس میں آج تک اسلام کا نفاذ نہ ہو سکا۔اس کا قانونی ڈھانچہ بھی مکمل طور پر اسلامی نہ ہے۔انگریزوں کے بنے ہوئے قوانین آج بھی وطن عزیز میں رائج ہیں۔اور جو نئے قوانین بنائے بھی گئے ان میں غیر شرعی امور باآسانی دیکھنے کو ملتے ہیں۔جیسے زیرِ بحث عائلی قانون ۱۹۶۱ء کی اکثر دفعات غیر اسلامی ہیں۔مثلاًاس میں یتیم پوتے کو وراثت میں برابر کا حق دار قرار دیا گیا ہے حالانکہ شرعی اصولوں کے تحت اس کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔بلکہ اس کا حل یہ ہے کہ اسلام کے قانونِ وصیت کے ذریعہ اس کو فائدہ پہنچایا جائے۔شادی بیاہ کی لازمی رجسٹریشن نہ کروانے کی صورت میں جو تعزیری سزا رکھی گئی ہے وہ بھی غیر شرعی ہے۔مغرب کی تقلید میں تعدد ازدواج پر جو پابندی لگائی ہے اسے بھی شرعاً قبول نہیں کیا جا سکتا۔تعدد ازدواج کا اصول فطری ہے اور اصول شریعت کے مطابق قانونی حیثیت رکھتا ہے اس کی افادیت ہر دور میں مسلمہ رہی ہے۔اس کے علاوہ مروجہ قانون میں طلاق وعدت کے مسئلہ میں بھی قرآن وسنت سے راہنمائی نہیں لی گئی۔ جب یہ قانون نافذ کیا گیا تو اس وقت ملک بھر کے علماء نے شدید رد عمل کا اظہار کیا تھا۔تمامِ اہلِ فتوٰی علماء نے اس کو قبول کرنے سے انکار کیا۔ مگر اسے ابھی تک دستوری تحفظ حاصل ہے۔آج ضرورت اس امر کی ہے کہ صاحبِ منصب اس طرف توجہ کریں اور اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے اس غیر شرعی قانون کو منسوخ کروانے میں اپنا کردار ادا کریں۔

حوالہ جات

[1] امیر علی،سید، قانون شرع محمدی،نذیر سنز،لاہور،۱۹۹۰ء،ص۳۸

[2] Rashida Patel, Women and Law in Pakistan, Faiza Publishers, Karachi, 1972,p.3

[3] Ibid,P.4

[4] Civil Major Acts, Muslim Family Laws Ordinance, 1961, Civil & Criminal Law Publications, Lahore,
2005, P.961.

[5] Ibid, P.961 ---966

[6] Ibid, P.962

[7] بخاری،محمد بن اسماعیل، ابو عبداللہ، الجامع الصحیح ، کتاب الفرائض، باب مِیرَاثِ الْوَلَدِ مِنْ أَبِيهِ وَأُمِّهِ ،الحدیث:۶۷۳۲

[8] سورۃالنساء، آیت:۸

[9] محمد شفیع، معارف القرآن، ادارۃالمعارف، کراچی، س۔ن، ۲، ص۳۱۱

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.3, No.4, 2025

ISSN P: 3006-3329

ISSN E: 3006-3337

[10] گزٹ آف پاکستان، غیر معمولی، کراچی، ۳۰جون ۱۹۵۶ء، ص ۱۹۶۰

[11] مرجع سابق، ص۱۹۶۸

[12] فکر و نظر، اسلام آباد، اکتوبر۔۔دسمبر ۲۰۰۴ء، ج:۴۲، ش:۰۲، عملِ قانون سازی از جسٹس (ر) محمد افضل چیمہ، ص ۱۳۹

[13] سورۃ البقرۃ، آیت:۱۸۰

[14] نوٰوی، یحی بن شرف، شرح صیح مسلم، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۷۵ھ، ج:۲، ص ۳۹

[15] سورۃ النساء، آیت:۰۸

[16] سورۃ النساء، آیت:۰۹

[17] محمد شفیع، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی، س۔ن، ج:۲ ص ۲۷

[18] ۲۸ مرجع سابق، ص

[19] Muslim Family Laws Ordinance, 1961, , Section-5(1)(2)(3), P.963

[20] Ibid, Section-5(4)

[21] سورة البقرة،آيت:٢٨٢

[22] Muslim Family Laws Ordinance, 1961, Section-6, P.964

[23] محمد شفیع، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی، س۔ن، ج:۲ ص ۵۵

[24] ترمذی،أبو عيسىٰ محمد بن عيسى ،الجامع،كتاب النكاح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يُسْلِمُ وَعِنْدَهُ عَشْرُ نِسْوَةٍ، الحديث: ١١٣١

[25] كتاب النكاح، ، باب الرجل يسلم وعنده أكثر من أربع نسوة، الحديث: ١٩٥٢ قزوينى، ابن ماجه،محمدبن يزيد،

[26] سورۃ النساء، آیت:۰۳

[27] سورۃ النساء، آیت:۰۳

[28] فکر و نظر، اسلام آباد، جولائی، اگست ۱۹۶۳ء، ج:۰۱، ش:۱۔۔۳، عائلی قوانین از محمد رشید فیروز، ص ۷۵

[29] مرجع سابق، ص ۷۶

[30] مرجع سابق، ص ۷۶